اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (النحل:97)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۔ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

بنی آدم کی عزت افزائی:۔

انسان اللہ رب العزت کی تخلیق کا شاہکار ہے۔اس کو اللہ رب العزت نے اشرف المخلوقات بنایا اور اس کے سر کے اوپر اللہ تعالیٰ نے عزت کا تاج سجایا۔کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ (بنی اسرآئیل:80) اور تحقیق ہم نے بنی آدم کو عزت عطا فرمائی۔

یہ عزت اس انسان کے لیے ہے جو صحیح معنوں میں انسان ہو۔اگر شکل انسانوں والی ہو اور عمل حیوانوں والے ہوں تو وہ آدمی اس مرتبے کو نہیں پا سکتا۔

سیدھے راستے کی راہنمائی:

جب یہ پیدا ہوتا ہے تو یہ بچہ ہوتا ہے جو کہ کچا ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا (الدھر:1) کیا انسان پر ایسا وقت نہیں آیا کہ یہ کوئی قابل ذکر چیز ہی نہیں تھا۔

اس وقت یہ پانی کا ایک قطرہ تھا۔چنانچہ ارشاد فرمایا:

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا (الدھر:2) بے شک ہم نے انسان کو ایک نطفہ سے پیدا کیا، ہم اس کو آزمائیں گے اور ہم نے اس کو سمیع اور بصیر بنایا۔

آگے ارشاد فرمایا:

إِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ إِمَّا شَاكِرًا وَّ إِمَّا كَفُوْرًا (الدھر:3)

ہم نے اس کو راستے کی رہنمائی عطا فرمائی یا تو یہ شکر کرنے والا بنے یا یہ انکار کرنے والا بنے۔

اب انسان کے سامنے دو راستے ہیں:

(۱) نیکی کا راستہ......اللہ تعالیٰ کی بندگی کا راستہ

(۲) گناہوں کا راستہ......اللہ تعالیٰ سے دوری کا راستہ

دونوں راستے بالکل واضح ہیں۔

نیکی کے راستے پر چلنے والے عباد الرحمٰن ہیں۔

گناہوں کے راستے پر چلنے والے عباد الشیطان ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ أَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ إِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ (یٰسٓ:60) اے بنی آدم! کیا میں نے تم سے یہ وعدہ نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی پیروی نہیں کرو گے؟ بے شک وہ تمہارا ظاہر باہر دشمن ہے۔

وَ أَنِ اعْبُدُوْنِيْ ط هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○ (یٰسٓ:61) اور ایک میری عبادت کرو، یہ ہے سیدھا راستہ۔

تو انسان نیکی کے راستے پر چلتا ہے تو عباد الرحمٰن میں شامل ہو جاتا ہے اور جب گناہوں کے راستے پر چلتا ہے تو عباد الشیطان میں شامل ہو جاتا ہے۔

انسان کی زندگی کے تین انداز:

انسان کی زندگی کے تین مختلف انداز ہو سکتے ہیں:

(۱) حیوانی زندگی

(۲) انسانی زندگی

(۳) ایمانی زندگی

(۱) حیوانی زندگی

اگر آپ بچے کی زندگی کو دیکھیں تو اس کی زندگی میں دو تین کام ہوتے ہیں: کھانا پینا، سونا جاگنا اور کھیلنا کودنا۔ اس کے علاوہ اس کو کسی چیز کی پرواہی نہیں ہوتی۔ نہ اسے کمانے کی فکر اور نہ اسے یہ فکر کہ میرا لباس کہاں سے آئے گا، کھانا کہاں سے آئے گا اور گھر کیسے ہوگا؟ وہ ہر فکر سے بے فکر ہوتا ہے۔ جب اسے بھوک لگتی ہے تو رو پڑتا ہے اور ماں کے سینے سے دودھ اتر آتا ہے۔ اسے نیند آتی ہے تو رو پڑتا ہے اور ماں اس کے لیے بستر کا انتظام کر دیتی ہے۔ سردی لگتی ہے تو رو پڑتا ہے اور ماں اس کے لیے کپڑوں کا انتظام کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیں کہ ایک رونے کے صدقے بچے کا ہر کام سنور جاتا ہے۔ یہ بھی دیکھیں کہ وہ بچہ بتا نہیں سکتا، فقط روتا ہے اور اس کے رونیکی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی ماں کے دل میں الہام فرما دیتے ہیں کہ تیرے بچے کو اس وقت کس چیز کی ضرورت ہے؟ وہ اندازہ لگاتی ہے اور واقعی ماں کا اندازہ بالکل ٹھیک ثابت ہوتا ہے۔ پنجابی میں کہتے ہیں ''گونگے دی رمزاں گونگے دی ماں جانے'' ماں سمجھ جاتی ہے کہ میرے بچے کو اس وقت کیا تکلیف ہے؟ چنانچہ بن بتائے اس رونے کے صدقے اللہ تعالیٰ اس کی پریشانیاں دور کر دیتے ہیں۔ اس کی ہر ضرورت کو پورا کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے دل میں ایسی محبّت رکھ دی ہے کہ اس کا رونا ان سے برداشت نہیں ہوتا۔ ماں تھکی ہوتی

ہے، دوسرے کمرے میں بیٹھی کھانا کھا رہی ہے۔ ابھی وہ دوسرا لقمہ منہ میں ڈالتی ہے اور ادھر بچے کے رونے کی آواز آتی ہے، وہ سب کچھ چھوڑ کر بچے کی طرف بھاگتی ہوئی آتی ہے، نہ اسے کھانا یاد رہتا ہے اور نہ ہی اسے اپنی بے آرامی کا خیال آتا ہے، وہ سب کچھ بھول جاتی ہے۔ اور بچے کی فقط ایک آواز اسے اپنے آپ سے بیگانہ کر دیتی ہے بچے کا کام کیا ہوتا ہے؟ بھوک لگی تو کھا لیا، پیاس لگی تو پی لیا، نیند آئی تو سو گیا اور درمیان کا وقت وہ کھیلنے کودنے اور بھاگنے میں گزار دیتا ہے۔ اسے کہتے ہیں حیوانی زندگی۔

اگر آپ غور کریں تو پتہ چلے گا کہ ہو بہو یہی کام حیوان بھی کرتے ہیں۔ جب انہیں بھوک لگتی ہے تو کھا لیتے ہیں۔ بکری، گائے، بھینس کو جب بھوک لگے گی تو وہ چر لیں گے، شیر کو بھوک لگے گی تو وہ کسی کو کاٹ کے کھا لے گا مگر اسے اپنی بھوک مٹانی ہوتی ہے۔ پیاس لگی تو پانی پی لیا، نیند آئی تو سو گیا اور اگر ان کے پاس وقت ہو تو کئی مرتبہ جانور آپس میں بھاگتے دوڑتے بھی ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ کھیل رہے ہوتے ہیں تو یہ تمام کام جانور بھی کرتے ہیں۔

شہوات کو پورا کرنے میں حیوانوں کی برتری:

جب بچہ تھوڑا سا بڑا ہوتا ہے تو اس کی ضروریات میں ایک ضرورت کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ یہ کہ یہ مرد ہے تو اسے مادہ کے ساتھ ملاپ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر شہوت رکھی ہوئی ہے اور اس نے اس شہوت کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ جس طرح انسان اپنی شہوت کو پورا کرتا ہے اسی طرح جانور بھی اپنی شہوت کو پورا کرتے ہیں۔ اگر کھانے پینے، سونے جاگنے، کھیلنے کودنے اور شہوت کو پورا کرنے کو معیار بنائیں تو انسان فضیلت نہیں پا سکتا۔ اس لیے کہ ان میں سے ہر شعبے میں حیوان اس سے بڑھے ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر:

☆ کھانا پینا۔ انسان تو دو روٹیاں کھا لے گا مگر ذرا ہاتھی کو دیکھو وہ کتنا کھاتا ہے! اونٹ اور بھینسا کتنا کھا لیتے ہیں! انسان تو ان کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتا۔ اگر انسان کہے کہ میں کم کھاتا ہوں تو شیر کہے گا کہ میں ہفتے میں ایک بار کھاتا ہوں۔ اگر ہم ہفتے میں ایک بار کھائیں تو ہم اٹھتے ہوئے دہرے ہو جائیں کہ ہم چھ دن سے بھوکے ہیں، کھڑے ہونے لگیں تو ہم گر جائیں گے۔ ہمیں دن میں تین مرتبہ کھانا چاہیے، وہ ہفتے میں ایک دفعہ کھاتا ہے۔ مگرمچھ پورے دن کے اندر 750 گرام کھانا کھاتا ہے، تو انسان نہ تو زیادہ کھانے میں بڑھ سکتا ہے اور نہ ہی کم کھانے میں بڑھ سکتا ہے۔

چیونٹی کو ہی دیکھ لیجیے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السّلام نے چیونٹی سے پوچھا: اے چیونٹی! تیرا کھانا کتنا ہوتا ہے؟ اس نے کہا: حضرت! پورے سال میں دو دانے گندم کے۔ فرمایا: میں تیرا امتحان لوں گا۔ چنانچہ اسے ایک جگہ پر بند کر دیا گیا اور وہاں گندم کے دو چار دانے ڈال دیے گئے۔ جب سال کے بعد اسے نکال کر دیکھا گیا تو بالکل ٹھیک ٹھاک تھی اور اس نے فقط دو دانے ہی کھائے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت سلیمان علیہ السّلام بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ۔ اے چیونٹی! میں تیری سچی بات سے بڑا خوش ہوا ہوں، بتاؤ تم کیا چاہتی ہو؟ وہ حاضر جواب تھی، وہ کہنے لگی زِدْنِیْ رِزْقًا وَّ عُمْرًا (اگر آپ کے اختیار میں ہے تو میرا رزق اور میری عمر بڑھا دیجیے) حضرت سلیمان علیہ السّلام اس کی بات سن کر مسکرا پڑے کہ چیونٹی نے مجھے لاجواب کر دیا تو ہم زیادہ کھانے میں بھی نہیں بڑھ سکتے اور کم کھانے میں بھی جانوروں سے نہیں بڑھ سکتے۔

☆ دوڑنا بھاگنا۔ اگر دوڑنے بھاگنے کی بات ہو تو ہم پھر بھی جانوروں سے نہیں بڑھ سکتے۔ گھوڑا ہم سے زیادہ تیز بھاگتا ہے، ہرن ہم سے زیادہ تیز بھاگتا ہے، اور چیتا تو بھاگتی کار کا مقابلہ کرنے کو تیار ہوتا

ہے۔وہ اتنا تیز بھاگتا ہے اللہ اکبر!!!وہ نوے کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑ سکتا ہے۔ پتہ چلا کہ تیز رفتاری میں بھی انسان آگے نہیں بڑھ سکتا۔

☆اگر شادی بیاہ کی بات ہے تو مرد عورت تو ہفتہ میں ایک یا دو مرتبہ میل ملاپ کر لیتے ہوں گے اور جانوروں کا حال ایسا ہے کہ وہ ایک ایک دن میں کئی کئی مرتبہ ملاپ کرتے ہیں۔خرگوش کو دیکھو، چڑیا کو دیکھو۔انسان اس میں بھی ان سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

☆اگر گھر بار کو دیکھیں تو بھی انسان آگے نہیں بڑھ سکتا۔اگر انسان کہے کہ میں نے اتنے اچھے گھر بنالئے ہیں تو شہد کی مکھی کہے گی: جناب! میرا گھر بھی دیکھ لیجیے،تمہارے گھر بنانے کے لیے انجینئر ہوتے ہیں، پتہ نہیں کتنے مستری اور مزدور کام کرتے ہیں،اور میرے پاس نہ کوئی پیمانہ، نہ کوئی پرکار، نہ کوئی ربڑ، نہ کوئی پنسل، دیکھو! میں نے کیسا گھر بنایا کہ ہر ہر گھر کا سائز دوسرے کے بالکل مطابق ہے،ایک سوراخ دوسرے سے ملتا ہے۔سچ بات بھی یہی ہے کہ شہد کا چھتا اپنی پیمائش میں اتنا صحیح ہوتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ وہ کیسے اتنا صحیح صحیح گھر بنالیتی ہے!بیا چھوٹی سی چڑیا ہے۔وہ درخت کی شاخ کے اوپر اپنا گھونسلا بناتی ہے، جتنا مرضی طوفان آئے، آندھی آئے،درخت ہلتا رہ جائے، درخت تو گر سکتا ہے مگر گھونسلا شاخ سے نیچے نہیں گرتا تو انسان کو گھر بنانے کی وجہ سے بھی فضلیت حاصل نہیں ہے۔

نفس کا راج:

انسان کو اللہ رب العزت نے تین نعمتیں عطا کی ہیں: ایک نعمت کو نفس کہتے ہیں دوسری کو عقل کہتے ہیں اور تیسری کو دل کہتے ہیں انسان کا نفس خواہشات کا مرکز ہے، انسان کی عقل خیالات کا مرکز ہے اور انسانی دل جذبات کا مرکز ہے۔

جو حیوانی زندگی بچے کو بچپن میں ملتی ہے وہ اصل میں نفس کی زندگی ہوتی ہے۔جو اس کا جی چاہے گا وہ پورا

کروائے گا۔ اگر ماں نہیں بھی دینا چاہتی تو وہ رو رو کر اپنی بات منوائے گا، گویا بچے کے اندر کامل حیوانیت ہوتی ہے۔ اس لیے بچے کو یہ تو فکر ہوتی ہے کہ میں کھاؤں لیکن اسے یہ فکر نہیں ہوتی کہ اوروں کو ملتا ہے کہ نہیں ملتا۔ وہ دوسرے کے ہاتھ میں چیز دیکھ کر چھین لیتا ہے۔ دوسرا روتا ہے تو روتا رہے، اسے کوئی پروا نہیں ہوتی۔ تو اس کے اندر ایک جذبہ ہوتا ہے کہ میری خواہش پوری ہونی چاہیے۔ یہ انسان کے نفس کا راج ہے اور وہ چھوٹا بچہ اپنے نفس کی خواہشات کی زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ اگر انسان کی زندگی کا معیار اتنا ہی ہے تو اسے کہیں گے ''حیوانی زندگی''۔

دو نئی خوبیاں:

جب انسان بڑا ہو کر تعلیم پاتا ہے اور لوگوں سے میل ملاپ کرتا ہے تو اس کے اندر پختگی آجاتی ہے۔ اس پختگی کی وجہ سے ہر انسان کے اندر دو نئی خوبیاں بیدار ہوتی ہیں:

(۱) جمال پسندی

(۲) اجتماعیت کا فطری جذبہ

(۱) جمال پسندی:

انسان اس عمر میں خوبصورتی کو پسند کرنے لگ جاتا ہے۔ چنانچہ خوبصورتی کا مطلب فقط یہ نہیں ہوتا کہ کسی مرد یا کسی عورت کے چہرے کی خوبصورتی۔ ہر چیز کے اندر اللہ نے ایک جمال رکھا ہے۔ مکان بھی خوبصورت ہوتے ہیں، کپڑے بھی خوبصورت ہوتے ہیں، فطری مناظر بھی خوبصورت ہوتے ہیں۔ آپ زندگی سے متعلّقہ کوئی چیز لے لیں اس میں خوبصورتی کا پہلو ضرور ہوتا ہے۔ گویا فطری طور پر اللہ نے انسان کے اندر ''خوبصورت پسندی'' رکھ دی ہے۔ لہٰذا جب وہ علم اور تجربہ پالیتا ہے تو اس کا جی چاہتا ہے کہ میرے پاس فقط چیزیں ہی نہ ہوں بلکہ چیزیں خوبصورت بھی ہوں۔

دیکھیں! اگر اپنے آپ کو فقط سردی یا گرمی سے بچانا ہی مقصود تھا تو پتوں سے بھی بدن ڈھانپا جا سکتا تھا، مگر انسان کی چاہت پوری نہیں ہوتی۔ اس بدن کو ڈھانپنے کے لئے اس نے کپڑے بنائے اور کپڑوں میں بھی فقط لٹھے کے کپڑے نہیں، کیا کیا چیزیں ملا کر اس نے کپڑے بنائے! یہ واش اینڈ ویئر ہے، یہ ٹیٹرون ہے، یہ فلاں ہے، یہ فلاں ہے۔ انسان ان کے پرنٹ دیکھ دیکھ کر حیران ہوتا ہے! پھر یہی نہیں کہ کپڑے بنا دیے اور ان کے کارخانے بنا دیے بلکہ ان کو سینے کے طریقوں میں بھی جدت پیدا کر دی۔ چنانچہ کبھی انسان جبہ پہن رہا ہے، کبھی شیروانی پہن رہا ہے، کبھی قمیص پہن رہا ہے، ہر ایک کا اپنا اپنا انداز ہے۔ وہی انسان اگر پھٹے پرانے کپڑے پہنے تو اس کا انداز اور ہے۔

مردوں میں تو کپڑوں کی اتنی خواہش نہیں ہوتی جبکہ عورتوں میں کپڑوں کی خواہش انتہا درجے کی ہوتی ہے۔ ان کا تو جی چاہتا ہے کہ جو کپڑے ایک مرتبہ پہن کر اتاریں، دوسری مرتبہ ان کو بالکل نہ پہنیں۔ اسی لیے وہ ہر وقت کلر میچنگ کی تلاش میں رہتی ہیں کہ کونسی چیز کس کس کلر کی پہنیں؟ اس کو جمال پسندی کہتے ہیں۔ چنانچہ اس شعبے میں جو بندے کام کرتے ہیں ان کو روزانہ نئ نئ باتیں ذہن میں آتی رہتی ہیں۔ آج اس کا فیشن ہے تو کل اس کا فیشن ایسا ہونا چاہیے، ابھی ایک کپڑا ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا نیا آجاتا ہے۔ پھر تیسرا اور آجاتا ہے۔ اور دیکھئے!...... شادی بیاہ کے موقع پر کیسے کیسے ملبوسات تیار کیے جاتے ہیں! ایک ایک جوڑا آج ستر ہزار اور پچھتر ہزار کا مل رہا ہے! ایسے ایسے زیورات بنائے جاتے ہیں کہ انسان حیران ہو جاتا ہے۔ یہ انسان کی جمال پسندی کا معاملہ ہے۔

پکوانوں میں جمال پسندی:

انسان نے اگر فقط کھانا ہی کھانا ہو تو وہ صرف روٹی، دودھ، لسی یا پانی سے ہی کھا لے تو اس سے اس کا گزارا ہو جائے گا۔ مگر نہیں، انسان کے اندر ایک جمال پسندی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہم کھانے بنائیں تو وہ

دیکھنے میں بھی خوبصورت ہوں اور ذائقہ میں بھی بہتر سے بہترین ہوں۔ یہ جمال پسندی بندے کو بیٹھنے نہیں دیتی۔ جو کھانا بنانے والی عورتیں یا مرد ہیں، وہ بہتر سے بہترین کھانا بنانے میں لگے رہتے ہیں۔ وہ اپنے تجربے اور اپنے علم کو استعمال کر کے عجیب وغریب کھانے بنا دیتے ہیں۔

مہمان کے سامنے بھینسے کا سر:

ایک مرتبہ ایک مغل بادشاہ نے ایک ایرانی شہزادے کی دعوت کی۔ جب ایرانی شہزادہ آنے والا تھا تو انہوں نے بڑے خانساماں کو بلا کر کہا کہ ایک ملک کا شہزادہ آ رہا ہے، تم اس کے لیے ذرا اچھا سا کھانا بنا دینا۔ یہ میزبان کے لیے عزت و وقار کا مسئلہ ہوتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ میں مہمان کو ایسا کھانا پیش کروں جیسے اس کی عزت یا جیسے میرے دل میں اس کی محبّت ہے۔ چنانچہ اس نے کہا: بہت اچھا۔

جب ایرانی شہزادہ اپنے دوستوں کے ہمراہ آ کر بیٹھا تو تھوڑی دیر تک گفتگو ہوتی رہی، پھر کھانے کا وقت آیا تو خانساماں کو اشارہ کیا گیا کہ آپ ان کے کھانے کے لیے کچھ لائیے، چنانچہ وہ ایک بڑا سا برتن ڈھکا ہوا لایا۔ اسے اوپر سے خوب سجایا گیا تھا جیسے گفٹ پیک ہوتا ہے، اس نے لا کر اسے ایرانی شہزادے کے سامنے پیش کیا کہ جی اسے قبول کیجیے۔ ایرانی شہزادے نے جب اس کو کھول کر دیکھا تو اس کے اندر ایک بھینسے کا کٹا ہوا سر پڑا تھا اور اس کی گردن میں سے خون بھی نکل رہا تھا۔ انسان جب اس قسم کا منظر دیکھتا ہے تو اس کو کراہت محسوس ہوتی ہے۔ وہ تو شہزادہ تھا اور اس نے اس چیز کو بہت ہی معیوب سمجھا کہ مہمان کے سامنے بھینسے کا کٹا ہوا سر لایا گیا ہے۔ یہ بھی کوئی بات ہے بھلا؟ جب اس نے ناگواری کا اظہار کیا تو اس مغل بادشاہ نے خانساماں کو بلا کر کہا: آپ نے تو ہماری عزت بنانے کی بجائے الٹا بے عزتی کروا دی، آپ نے تو مہمان کو ناراض کر دیا، ہم نے تو آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ بھینسے کا کٹا ہوا سر سامنے لا کر رکھو، اور سر بھی ایسا کہ اس میں سے خون بھی بہہ رہا ہو۔ ہم نے تو آپ سے کہا تھا کہ مہمان کے لیے کوئی

اچھا سا کھانا تیار کر کے لاؤ۔

خانساماں نے جواب میں کہا: جناب! میں نے یہ کھانا ہی تو تیار کیا ہے، کاش اس شہزادے کے اندر اتنی اہلیت ہوتی کہ وہ اس کی پہچان کر سکتا! یہ کھانا ہی ہے۔ آپ ذرا اس کو کہیں کہ وہ اسے ذرا کھا کر دیکھے۔ جب شہزادے نے اس کو ذرا قریب کر کے دیکھا تو وہ دراصل مختلف کھانے بنے ہوئے تھے۔ آنکھیں اور ذائقے کی تھیں، سر اور ذائقے کا تھا، دانتوں میں اور قسم کا ذائقہ تھا اور جس کو وہ خون سمجھ رہا تھا وہ مشروب اور ذائقے کا تھا۔ اب جب ایرانی شہزادے نے اس کو کھانا شروع کر دیا تو وہ واقعی اس خانساماں کی فنی مہارت کا قائل ہو گیا کہ انسان ایسی حیرت انگیز چیز بھی بنا سکتا ہے!

تاریخی عمارتیں دسترخوان پر:

بمبئی کا ایک تاجر تھا۔ اس نے ایک مرتبہ ایک وائسرائے کی چائے کی دعوت کی۔ اس نے اس دعوت کے لیے ایک کمپنی کو ٹھیکہ دیا کہ اس کے لیے انتظامات کرو۔ انہوں نے بڑے عالیشان سائبان لگائے، ٹینٹ لگائے اور جگہ بنائی۔ جب مہمان وہاں آئے تو انہوں نے ان کے سامنے ایک میز پر سے کپڑا اٹھایا تو اس کے اندر مختلف عمارتیں بنی ہوئی تھیں: تاج محل بنا ہوا تھا، دہلی کی مسجد بنی ہوئی تھی، لال قلعہ بنا ہوا تھا، گلشن آرا بیگم کا باغ بنا ہوا تھا۔ انہوں نے دیکھ کر کہا: جی ٹھیک ہے، ہم نے اسے دیکھ لیا ہے، تم لوگوں نے یہ چیزیں بہت اچھی بنائی ہیں مگر ہمارے پاس وقت کی کمی ہے، ہمیں واپس بھی جانا ہے، آپ لوگوں نے کہا تھا کہ چائے پلائیں گے، چنانچہ اب آپ چائے کا انتظام کریں۔ یہ سن کر کمپنی کے مینجر نے کہا کہ جناب! ہم نے یہ آپ کے لیے چائے کا ہی انتظام کیا ہے، اس کو ذرا غور سے دیکھیں، یہ دیکھنے میں تاج محل ہے مگر کھانے میں بہترین قسم کا بسکٹ ہے۔ اب جب انہوں نے آگے بڑھ کر کھانا شروع کر دیا تو میناروں میں ذائقہ الگ ہے، دروازوں میں ذائقہ الگ ہے۔ وہ دراصل

مٹھائی تھی جو انہوں نے اس انداز میں پیش کی۔ چنانچہ وہ سب لوگ اس پر جھپٹ پڑے اور انہوں نے تھوڑی دیر میں تاج محل بھی کھالیا، لال قلعہ بھی کھالیا، مسجد بھی کھالی اور باغ بھی کھالیا۔

جب انہوں نے سب کچھ کھالیا تو انہوں نے کہا کہ عجیب بات ہے کہ تم نے اتنا میٹھا سامنے رکھ دیا، کچھ تو نمکین بھی رکھا ہوتا۔ اس نے کہا کہ جناب! جو نیچے ٹرے ہے وہ نمکین کھانے کی بنی ہوئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے وہ ٹرے بھی کھالی۔

حیران کن سلاد:

ایک مرتبہ ہمارے ایک قریبی دوست نے دعوت کی۔ ایک خانساماں نے عورتوں کی طرف بھی کھانا بھجوایا۔ وہ افسروں کی بیویاں تھیں۔ تھوڑی دیر بعد اندر سے پیغام آیا کہ کھانا تو سارا آ گیا ہے لیکن سلاد ہی نہیں آیا۔ تو اس خانساماں نے پیغام بھجوایا کہ بیگمات سے کہو کہ تمہاری تو عمر گزر گئی ہے کھانا پکاتے ہوئے، یہ درمیان میں تمہیں جو سویٹ ڈش کی طرح پھل نظر آ رہے ہیں۔ یہ حقیقت میں ہم نے سلاد بنایا ہوا ہے۔ اس نے سلاد کو اس طرح کاٹا تھا کہ وہ انسان کو دیکھنے میں کوئی شوپیس نظر آتا تھا اور عورتیں باوجود اپنی نفاست پسندی کے اس کو ہاتھ ہی نہیں لگا رہی تھیں کہ یہ تو دیکھنے کے لیے کوئی ماڈل سامنے رکھا ہوا ہے۔ وہ کوئی ماڈل نہیں تھا بلکہ اس نے سلاد کاٹ کر رکھا ہوا تھا۔ پھر جب عورتوں نے کھانا شروع کیا تو انہوں نے مان لیا کہ اس شخص کو اپنے فن میں بڑا تجربہ حاصل ہے۔

غور کیجیے کہ شیر اور چیتے ساری زندگی کچا گوشت کھاتے ہیں۔ ان کے اندر عقل نہیں ہے کہ وہ گوشت کے ساتھ سبزی ملا کر کھالیں۔ اس کو بھون کر کھالیں یا گوشت کو سوپ بنا کر پی لیں۔ اس کے برعکس انسان کو دیکھیں، گوشت کی کتنی ڈشز بنالیتا ہے! عورتیں کھانے کے ساتھ تو سویٹ ڈشز بھی بنالیتی ہیں۔

آئس کریم کے بتیس ذائقے:

ہمارے ایک دوست ہیں۔ وہ آئس کریم کا کام کرتے ہیں۔ ان کی دکان پر آئس کریم کے بتیس فلیور ملتے ہیں اللہ اکبر!!! آئس کریم کے بتیس ذائقے اور فلیور یہ کیا چیز ہے؟ یہ انسان کے اندر جمال پسندی کا فطری جذبہ ہے کہ وہ ہر کام میں بہتر سے بہترین حاصل کرنے میں لگا ہوا ہے۔

فرنیچر میں جمال پسندی:

یہ جمال پسندی ہر شعبے میں ہے۔ دیکھیے کہ انسان نے فرنیچر بنانا شروع کر دیا۔ فرنیچر میں لیٹنے کے لیے ایک چار پائی ہی کافی تھی۔ مگر نہیں، چار پائی سے بات بیڈ پر آ گئی، پھر ڈبل بیڈ پر آ گئی۔ اب تو انسان نے واٹر بیڈ بنانا شروع کر دیئے ہیں۔ وہ واٹر بیڈ کیا ہوتے ہیں؟ وہ کھال کے بنے ہوئے بیڈ ہوتے ہیں اور ان کے اندر پانی بھرا ہوتا ہے۔ اس کی خوبصورتی یہ ہے کہ انسان کا جسم جیسا ہوتا ہے، وہ بیڈ ویسی ہی شکل اختیار کر لیتا ہے اور اس پر بہت ہی پرسکون نیند آتی ہے۔ اب اس میں پانی کو گرم کرنے کے لیے ہیٹر بھی لگا دیے۔ چنانچہ جتنی مرضی سردی پڑ رہی ہو اور آپ اس بیڈ کے اوپر لیٹیں تو وہ بیڈ گرم ہی رہے گا اور آپ کو سردی کا قطعاً احساس نہیں ہوگا تو سونے کے لیے ایک چار پائی ہی کافی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جو جمال پسندی کی فطرت رکھ دی ہے وہ انسان کو بہتر سے بہترین چیز بنانے کی طرف کھینچتی ہے۔

تعمیرات میں جمال پسندی:

گھروں کی طرف دیکھیں تو انسان حیران ہو جاتا ہے۔ رہنے کے لیے تو مٹی کی دیواریں اور سرکنڈے کی چھت ہی کافی ہوتی ہے، اس سے گزارہ ہو جاتا ہے۔ مگر نہیں، انسان کی جمال پسندی اسے بیٹھنے نہیں دیتی۔ وہ اپنے گھر کو بہتر سے بہترین بناتا ہے۔ پہلے اینٹوں کے ساتھ بنانا شروع کر دیا۔ پھر اینٹوں کے

ساتھ اس کے اندر لکڑی کا استعمال شروع ہو گیا، پھر اسٹیل کا استعمال ہونے لگا، پھر سلیب بننے لگ گئے، شیشے کا استعمال شروع ہو گیا۔ آج آپ بنے ہوئے بعض گھر دیکھیں تو انسان حیران ہوتا ہے۔ کروڑوں میں ایک گھر بنتا ہے۔

ایک پاکستانی تاجر کا گھر:

ایک بڑے ملک کا صدر ایک پاکستانی تاجر کے گھر میں گیا تو داخل ہو کر کہنے لگا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس گھر سے باہر کبھی نہ نکلوں کیا ہی اس نے گھر بنایا ہوگا!!! تو بہتر سے بہترین گھر بنانے کی فطرت اللہ نے انسان کے اندر رکھ دی ہے۔

تاج محل اور اس کا حیران کن غسل خانہ:

آپ دیکھیے کہ ایک شخص نے اپنی محبوبہ کے لیے تاج محل بنوایا۔ اسے ''ونڈر آف دی ورلڈ'' کہا جاتا ہے۔ مصر کے فراعنہ نے اپنی قبریں اہرام کی شکل میں بنائیں۔ یہ اہرام مصر بھی آج دنیا میں ونڈر آف دی ورلڈ کہے جاتے ہیں۔ انسان نے کیا کیا چیزیں بنا دیں۔ یہ عمارت بنانے میں انسان کو فنی صلاحیت حاصل ہے۔

ایک مرتبہ ہم تاج محل دیکھنے کے لیے گئے۔ ہمیں وہاں دو باتوں نے بڑا حیران کیا: ایک تو انہوں نے اس کے اندر ایسا پتھر استعمال کیا تھا کہ چار فٹ بائی آٹھ فٹ کی پتھر کی ایک سلیب کا سائز تھا، اور دکھانے والے نے جب اپنی ٹارچ اس کے کونے پر رکھی تو پوری کی پوری سلیب بلب کی طرح گلو (Glow) کرنے لگ گئی۔ حیران ہوئے کہ یا اللہ! یہ پتھر کہاں سے ان کو ملا!؟ اور اس چار فٹ بائی آٹھ فٹ کی پوری سلیٹ کے اندر کھود کر ڈیزائن بھی بنائے گئے تھے۔ ان میں کہیں جوڑ نظر نہیں آتا تھا۔

پھر اس سے آگے ممتاز محل کے لیے اس نے غسل خانہ بنوایا۔ اس غسل خانے کا ڈیزائن دیکھ کر بھی حیرانی

ہوئی۔ اس نے اس کے اندر چھوٹے چھوٹے شیشے ایسے زاویوں پر لگوائے کہ آپ اگر ایک موم بتی جلا کر اس کے اندر رکھ دیں تو وہ ہزاروں لائٹیں ریفلیکٹ ہو کر اتنا گلو کرتا ہے کہ انسان سمجھتا ہے کہ بلب جل رہا ہے۔

(۲)......اجتماعیت کا فطری جذبہ:

علم اور پختگی آنے کی وجہ سے انسان کے اندر ایک تو جمال پسندی کا جذبہ آجاتا ہے اور دوسرا اس کے اندر اجتماعیت کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً: لکھا پڑھا نوجوان کبھی اکیلا نہیں کھائے گا۔ اس کا جی چاہے گا کہ میری والدہ بھی کھائے، والد بھی کھائے، بھائی بھی، بہن بھی کھائے، وہ مل کر رہنا پسند کرتا ہے۔ یہ فطری جذبہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر رکھا ہے اسی لیے جب وہ کھاتا ہے تو اس کی چاہت ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی کھائے اور بچے بھی کھائیں۔ کئی مرتبہ بچوں کے بغیر اسے کھانا اچھا ہی نہیں لگتا۔ حالانکہ محنت تو اس نے کی تھی، پسینہ تو اس نے بہایا تھا، یہ اپنی مزدوری سے ملنے والے پیسوں سے خود اپنا پیٹ بھر لیتا، مگر نہیں، کئی دفعہ یہ خود بھی بھوکا رہے گا لیکن اپنے بچوں کی خواہش کو پورا کرنا پسند کرے گا۔ اس کو کہتے ہیں ''اجتماعیت کا فطری جذبہ''۔

انسان اسی فطری جذبے کی وجہ سے دوسروں کی خوشی غمی اور دکھ سکھ میں شریک ہوتا ہے۔ آپ غور کریں کہ اگر کسی بندے کو کانٹا چبھ جائے اور وہ ذرا چیخ کر اپنا پاؤں دیکھنے بیٹھ جائے تو اس کے قریب سے گزرتا ہوا بندہ فوراً پوچھے گا اور کانٹا نکالنے میں اس کی مدد کرے گا......وہ کیوں ایسا کر رہا ہے؟......اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر اجتماعیت اور ہمدردی کا جذبہ رکھا ہوا ہے۔

(۲)......انسانی زندگی

تو یہ دو جذبات (جمال پسندی کا جذبہ اور اجتماعیت کا جذبہ) ایسے ہیں کہ دنیا کی ساری رونق اور بہار انہی

کی وجہ سے ہے۔ان دو جذبات کا ہی نتیجہ ہے کہ آپ کو یہ دنیا سجی سجائی نظر آ رہی ہے۔اس زندگی کو کہتے ہیں ''انسانی زندگی''۔

پہلی زندگی کا جو انداز تھا، وہ تھا ''حیوانی زندگی''۔کھایا پیا،سویا، دوڑے بھاگے، اپنی شہوت کو پورا کیا اور بات ختم۔ یہ ہے حیوانی زندگی۔اس حیوانی زندگی سے تھوڑا اور آگے بڑھا تو انسان کے اندر عقل پختہ ہوئی۔اس عقل کو استعمال کر کے انسان نے جمال پسندی اور اجتماعیت کے جذبات کی وجہ سے دنیا کو آباد کیا۔ چنانچہ انسان گھر بناتا ہے تو ساتھ پھولوں کی کیاری بھی بنا دیتا ہے۔کچھ لکھی ہوئی چیزیں بھی اوپر لگا دیتا ہے۔مختلف کلرز کے پینٹ کروا دیتا ہے۔ہوتا تو وہ گھر ہے لیکن اس کے اندر ماربل سجاتا ہے۔انسان کئی مرتبہ گھر کی نفاست کو دیکھ کر حیران ہوتا ہے۔گویا جمال پسندی اور اجتماعیت کے جذبات نے پوری دنیا کو آباد کر دیا ہے۔اس اجتماعیت کی وجہ سے انسان چاہتا ہے کہ میں بھی خوش رہوں اور میرے ساتھ والے بھی خوش رہیں۔ چنانچہ وہ پڑوسیوں کا خیال رکھتا ہے، محلے دار کا خیال کرتا ہے، رشتے دار کا خیال کرتا ہے، دوستوں کا خیال کرتا ہے۔گویا سب انسان ایک دوسرے کے ساتھی بن جاتے ہیں۔اس کو انسانی زندگی کہتے ہیں۔

انسانی زندگی بہتر تو ہے مگر:

یہ زندگی حیوانی زندگی سے ہزاروں گنا بہتر زندگی ہے۔لیکن اس زندگی میں بھی انسان کے اندر پورا کمال پیدا نہیں ہوتا کیوں؟اس لیے کہ اگر وہ کسی کی مدد کرے گا تو وہ چاہے گا کہ یہ اب جواب میں میری تعریف کرے۔کسی پر احسان کرے گا تو لوگوں میں تذکرے بھی کرے گا کہ اَعْرِفُوْنِیْ (مجھے پہچانو کہ میں نے کیسے کام کیے) وہ دوسروں کی خدمت کرے گا مگر خدمت کے ساتھ ساتھ ان کے اوپر حاکم بن کر رہنا بھی پسند کرے گا۔اب یہ خدمت تو کرنا چاہتا ہے مگر کب؟ جب سب مل کر اس کو اپنا بڑا مان لیں۔

ایسی زندگی میں کچھ ایسی ہی چیزیں چھپی ہوئی ہوتی ہیں۔ اپنی تعریف کو پسند کرنا، اپنی خواہش کو مقدم رکھنا، اپنے اندر اقتدار پانے کی ہوس کا ہونا۔ اگرچہ اس کو انسانی زندگی کہتے ہیں مگر اس زندگی میں بھی کمال پورا نہیں ہوتا۔

عقل کا راج:

پہلی حیوانی زندگی میں انسان کے اندر نفس پرستی آئی اور اس انسانی زندگی میں جب عقل بھی کارفرما ہے، اس کے اندر زر پرستی اور زن پرستی آ جاتی ہے۔ چنانچہ آپ دیکھ لیں کہ آج پوری دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ یا تو زر کے پیچھے ہو رہا ہے یا زن کے پیچھے۔ تمام محنتوں کا نچوڑ آپ کو یہ دو چیزیں نظر آئیں گی۔ اس بندے کی محنت کے پیچھے کہیں نہ کہیں یا تو ہوس نظر آئے گی کہ میرے پاس مال جمع ہو جائے تاکہ میرا سٹیٹس اچھا ہو تاکہ میں دنیا میں سہولت والی زندگی گزار سکوں۔ یا اس کے پیچھے کہیں زن کا مسئلہ ہوگا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حیوانی زندگی میں انسان کے اندر خواہش پرستی آتی ہے اور انسانی زندگی میں انسان کے اندر زر پرستی اور زن پرستی آئی۔ چنانچہ آپ کو غیر مسلموں کی زندگیوں میں زر پرستی اور زن پرستی کا بدترین نمونہ نظر آئے گا۔ ان کی ساری زندگی انہی کے گرد گھوم رہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کسی طرح پیسہ ہمارے پاس آ جائے اور کسی طرح ہماری نفسانی خواہشات پوری ہوتی رہیں۔ ہمارے اوپر کسی قسم کی پابندی نہ ہو۔ حیوانی زندگی میں نفس کا راج تھا اس لیے اسے نفس پرستی کہا گیا، پھر انسان کی زندگی میں عقل کا راج آ گیا۔ اس عقل کی بنیاد پر انسان نے اس دنیا کو خوب سجایا اور اس میں کیا کیا دلچسپیاں پیدا کر ڈالیں!! مگر ان تمام کا لب لباب زر پرستی اور زن پرستی نکلا۔

انسانی زندگی کا نکتہءعروج:

آج کفار جس طرز زندگی کو بہترین سمجھ رہے ہیں وہ عقلی زندگی ہے۔ اس زندگی کا کمال جمہوریت پر جا کر

ختم ہو جاتا ہے کہ آپ سب مل کر جو قانون بنائیں، سب اسی کے مطابق زندگی گزاریں گے۔اب اگر سب کا بنایا ہوا قانون فطرت کے خلاف ہو تو اس کا کیا فائدہ؟ مثال کے طور پر: ایک جگہ پارلیمنٹ کے سب ممبروں نے تالیاں بجا کر بل پیش کیا کہ مرد کی شادی مرد کے ساتھ ہونا ٹھیک ہے، اور انہوں نے اس بل کو پاس کر کے قانون بنا دیا۔ یہ تو حیوانوں والی بات ہے نا!! قرآن مجید نے کہہ دیا:

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الانعام:116) اگر تم زمین میں اکثریت کی پیروی کرنے لگ جاؤ گے تو یہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی‘‘

تو جمہوریت کا یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان پھر وہ قوانین بناتا ہے جو حکم خدا کے خلاف ہوتے ہیں۔اس لیے انسانی زندگی کا سب سے بلند نکتہ جمہوریت پہ جا کر ختم ہو جاتا ہے۔وہ نکتہ اس پر ختم ہوتا ہے کہ انسان دوسروں کی ہمدردی تو کرتا ہے مگر ان سے اس کا بدلہ بھی چاہتا ہے۔اس لیے آج دنیا کے بڑے ملک، غریب ملکوں کی امداد کرتے ہیں مگر اس پر سود بھی لیتے ہیں......کیا مزہ آیا امداد کا!؟......کہنے کو امداد ہوتی ہے اور حقیقت میں وہ سودی قرضہ ہوتا ہے۔دیکھو عقل نے کیسا دھوکہ دیا ہوتا ہے! یہ ہے انسانی زندگی۔

(۳)......ایمانی زندگی

زندگی کا ایک تیسرا انداز بھی ہے جو انسانی زندگی سے بہت بلند مقام رکھتا ہے۔اس انداز زندگی میں انسان کا دل اس پر حکومت کرنے لگ جاتا ہے۔پہلے انداز زندگی میں نفس نے حکومت کی، دوسرے انداز زندگی میں اس کی عقل نے حکومت کی اور اس تیسرے انداز میں انسان کا دل اس پر حکومت کر رہا ہوتا ہے اس دل کو اللہ رب العزت نے جذبات کا مرکز بنایا ہے۔چنانچہ اسی دل میں اللہ رب العزت کی محبّت ہوتی ہے، اسی میں اللہ رب العزت کی عظمت ہوتی ہے۔اس انداز زندگی کو کہتے ہیں ’’ایمانی

زندگی، قرآنی زندگی، اسلامی زندگی‘‘۔ جب انسان یہ انداز زندگی اپناتا ہے تو پھر وہ بہت ہی اعلیٰ زندگی بسر کرتا ہے۔حتیٰ کہ وہ انسان فرشتوں سے بھی اعلیٰ نظر آتا ہے۔کیوں؟ اس لیے کہ اب وہ دوسروں کی خدمت تو کرتا ہے مگر دوسروں سے وہ تعریف کا طلب گار نہیں ہوتا، وہ دوسروں سے بدلہ نہیں چاہتا۔یہی تو انبیائے کرام نے آکر کہا تھا۔

يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا (ھود: 51) اے میری قوم! میں تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا۔

اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى الَّذِىْ فَطَرَنِىْ (ھود: 51) میرا اجر اللہ کے ذمے ہے۔

اس طرزِ زندگی میں جب انسان کا قلب صحیح معنوں میں اس کے اوپر حاکمِ اعلیٰ بن جاتا ہے اور اس قلب کی صلاحیتیں ابھرتی ہیں تو اب انسان صحیح معنوں میں زندگی گزارتا ہے۔اس کے سامنے اللہ کی رضا ہوتی ہے، یہ اس کا مقصدِ زندگی بن جاتا ہے۔وہ دوسروں کے لیے محنت کرتا ہے اور قربانیاں کرتا ہے مگر وہ ان سے اس کے بدلے کا طلب گار نہیں ہوتا، وہ اللہ سے ہی اس کا اجر طلب کرتا ہے۔وہ نیکی کرتا ہے اور دریا میں ڈال دیتا ہے کہ مجھے مخلوق سے کچھ نہیں چاہیے، مجھے جو چاہیے وہ اپنے مولا سے چاہیے۔

ایمانی زندگی کی چار انمول صفات:

اس ایمانی زندگی میں انسان کے اندر چار صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔حدیث پاک میں فرمایا:

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَ مَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ جس نے اللہ کے لیے محبّت کی، اللہ کے لیے دشمنی کی، اللہ کے لیے دیا اور اللہ ہی کے لیے (اپنے آپ کو کسی چیز سے) روکا، پس اس کا ایمان کامل ہو گیا۔

(ا)......اللہ کے لیے محبّت ہونا:

''الحب فی اللہ'' کا کیا مطلب؟ کہ اللہ کے بندوں سے اللہ کے لیے محبت ہو۔ چنانچہ انسان اللہ رب العزت کی بنا پر اللہ کے بندوں سے محبّت کرتا ہے۔ نفس کی خواہشات کی بنا پر نہیں کرتا بلکہ اس میں اخلاص ہوتا ہے۔ اس کی بے شمار مثالیں آپ نے سنی ہونگی۔

جب نبی علیہ السّلام ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو اس وقت مسلمانوں کے درمیاں مواخات قائم کی گئیں۔ ایسا بھائی چارہ قائم ہوا کہ اگر ایک کا کاروبار تھا تو اس نے آدھا اپنے بھائی کو دے دیا۔ دو گھر تھے تو ایک بھائی کو دے دیا۔ انسانی بھائی چارے کی اتنی بہترین مثال تاریخ انسانیت میں نہیں ملتی کہ انسان دوسرے کے ساتھ اتنا بھی مخلص اور ہمدرد ہو سکتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے:

رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح:129) (آپس میں رحیم و کریم بن کر)

ایسی زندگی گزاری کہ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں ان کی تعریفیں فرمائیں۔ ان کے درمیان اتنا جوڑ تھا، اتنا پیار تھا، اتنی محبّت تھی کس لیے؟ یہ اللہ رب العزت کے لیے تھی۔ انسان ان واقعات کو پڑھ کر، سن کر حیران ہو جاتا ہے۔

خدمت خلق کا انوکھا انداز:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے کی بات ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ امیر المومنین سے ملنے کے لیے آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک چیز پر کچھ ایسے معذورین اور بوڑھوں کے نام لکھے ہوئے ہیں جن کو خدمت کی ضرورت تھی۔ اس فہرست میں ایک بوڑھی عورت کا نام بھی تھا کہ اس کو بھی خدمت کی ضرورت ہے مگر خدمت کرنے والے کا نام نہیں لکھا ہوا تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دل میں سوچا کہ میں اس بوڑھی عورت کی خدمت کیا کروں گا۔ اگلے دن جب وہاں پہنچے تو بڑھیا نے جواب دیا کہ کوئی آدمی آیا تھا اور رات کے اندھیرے میں کام کر کے چلا گیا ہے۔ خدمت یہ ہوتی تھی کہ باہر سے پانی بھر کے لانا اور گھر کے صحن کی صفائی کرنا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑھیا سے پوچھا: اماں! اس بندے کا نام کیا تھا؟ اس نے کہا: مجھے تو اس کے نام کا پتہ نہیں اور نہ ہی میں نے کبھی اس کا نام پوچھا ہے۔ پھر پوچھا: وہ کون ہے؟ کہنے لگی: میں نے کبھی اس کی شکل ہی نہیں دیکھی۔ وہ آ کر کہتا ہے کہ پردہ کرلو، میں پردہ کر لیتی ہوں، وہ میرے سارے کام کر کے چلا جاتا ہے، وہ جاتے ہوئے کہتا ہے کہ میں جارہا ہوں اب پردہ ختم ہو گیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حیران ہو گئے، چنانچہ اگلے دن تہجّد پڑھ کر وہاں پہنچے۔ پتہ چلا کہ پھر کام ہو چکا ہے۔ وہ بھی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تھے، سوچنے لگے کہ اب دیکھیں گے! اگلے دن عشا کی نماز پڑھ کر گئے اور راستے میں ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گئے۔

جب رات گہری ہوئی اور لوگ سو گئے تو اس وقت ہر طرف سناٹا تھا۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ کوئی آدمی ننگے پاؤں اس بوڑھی عورت کے گھر کی طرف جا رہا ہے۔ جب وہ قریب سے گزرا تو انہوں نے پوچھا: ''مَنْ اَنْتَ آپ کون ہیں؟'' جواب میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آواز آئی کہ میں ابوبکر ہوں۔ پوچھا: اے امیر المومنین! آپ اس اندھیری رات میں اس بڑھیا کے گھر میں خدمت کرنے کے لیے آ رہے ہیں اور آپ کے پاؤں میں جوتے بھی نہیں ہیں۔ فرمایا کہ میں جوتے اس لیے اتار کر آیا ہوں کہ یہ لوگوں کے سونے کا وقت ہے، ایسا نہ ہو کہ میرے جوتوں کی آہٹ سے کسی کی نیند میں خلل آ جائے یہ ہے ''ایمانی زندگی'' کہ ایک آدمی خدمت بھی کر رہا ہے اور اس طرح چھپا کر کر رہا ہے کہ وہ کسی کو بتانا بھی نہیں چاہتا۔ یہ نعمت ایمانی زندگی سے نصیب ہوتی ہے، ویسے نصیب نہیں ہو سکتی۔

زندگی بھر معذوروں کی خدمت:

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت خوبصورت جسم عطا کیا تھا۔ جب ان کی وفات ہوئی اور غسال ان کو نہلانے لگا تو اس نے دیکھا کہ ان کے کندھے کے اوپر ایک کالا نشان ہے۔ اس کو سمجھ نہ آسکی کہ یہ کالا نشان کیوں ہے؟ اہل خانہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے بھی کہا کہ ہمیں پتہ نہیں ہے۔ جب کچھ دن گزر گئے تو وہاں کے ضعفا اور معذوروں کے گھروں سے آواز آئی، وہ کہاں گیا جو ہمیں پانی پلایا کرتا تھا؟ پھر پتہ چلا کہ رات کے اندھیرے میں امام زین العابدین رضی اللہ عنہ پانی کی بھری ہوئی مشک اپنے کندھے کے اوپر لے کر ان کے گھروں میں پانی مہیا کیا کرتے تھے اور اس راز کو انہوں نے اس طرح چھپائے رکھا کہ زندگی بھر کسی کو پتہ بھی نہ چلنے دیا یہ ہے ''ایمانی زندگی'' کہ انسان دوسرے کی خدمت بھی کر رہا ہے، ہمدردی بھی کر رہا ہے مگر اس سے صرف تھینک یو (شکریہ) کا بھی طلب گار نہیں ہے۔ وہ انسانیت کی خدمت فقط اللہ رب العزت کی رضا کے لیے کر رہا ہے۔

مسافر کے ساتھ حسنِ سلوک:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ کہا کہ شہر کے اندر کے حالات تو میں ہر رات دیکھتا ہوں، چلو آج ذرا باہر کے حالات بھی دیکھوں۔ چنانچہ آپ مدینہ منورہ کی آبادی سے باہر نکلے۔ باہر نکلتے ہی انہوں نے ایک خیمہ دیکھا۔ قریب آئے تو پتہ چلا کہ یہ ایک بدو (دیہاتی) کا خیمہ ہے۔ وہ خیمے سے باہر پریشان حال بیٹھا تھا۔ انہوں نے اس سے خیر و عافیت دریافت کی تو پتہ چلا کہ اس کی بیوی دردِ زہ کی حالت میں ہے۔ اس نے کہا کہ یہاں تو میرا کوئی واقف بھی نہیں، کوئی رشتہ دار بھی نہیں، مسافر ہوں، کھانے کے لیے بھی کچھ نہیں، میں پریشان ہوں کہ کیا کروں؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ الٹے پاؤں اپنے گھر واپس آئے اور اپنی اہلیہ سے کہا کہ ایک مسافر عورت اس حال میں

ہے، آپ چلیں، اس کی مدد کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے آٹے کی بوری بھی اٹھالی اور کچھ اور چیزیں بھی لیں اور اپنی اہلیہ کو لے کر وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے اپنی اہلیہ صاحبہ کو خیمے کے اندر بھیج دیا۔

اب وہ بدو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے باتیں کرنے لگا، اس نے پوچھا کہ کیا تم نے کبھی امیر المومنین کو دیکھا ہے؟ وہ تو بڑی اعلیٰ زندگی گزارتے ہوں گے، انہیں تو کسی چیز کی پرواہ ہی نہیں ہوتی ہوگی، بدو یہ باتیں کرتا رہا اور حضرت عمرؓ سنتے رہے۔ حتیٰ کہ اندر سے ان کی اہلیہ محترمہ نے آواز دی، امیر المومنین! اپنے دوست کو بیٹے کی خوشخبری دے دیجئے۔ اب بدو کو پتہ چلا کہ میں تو امیر المومنین سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ گھبرانے لگا۔ مگر انہوں نے فرمایا: گھبراؤ نہیں، کل میرے پاس آنا، میں تمہارے اس چھوٹے سے بچے کا روزینہ باندھ دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے اٹھ کے واپس آجاتے ہیں اور اگلے دن اس بچے کا روزینہ بندھ جاتا ہے یہ ہے ایمانی زندگی۔

ایمان کی پہچان:

ایمان انسان کے اندر سے کھوٹ کھرچ کھرچ کر ختم کر دیتا ہے۔ جہاں ایمان کامل ہوگا وہاں سے کھوٹ نکل جائے گا۔ ایمان اور منافقت، یہ دو چیزیں ایک انسان میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ ایمان کی یہ پہچان ہے کہ یہ انسان کے اندر سے دورنگی اور منافقت کو کھرچ کھرچ کر نکال دیتا ہے۔ چنانچہ شریعت کا مسئلہ ہے کہ اگر ایک آدمی شربت پی رہا ہے اور شربت پیتے ہوئے اس نے نیت کر لی کہ میں شراب پی رہا ہوں، تو فقہا نے لکھا ہے کہ اس نیت کے ساتھ اگرچہ وہ شربت پی رہا ہے مگر اس کو شراب پینے کا گناہ ملے گا۔ کیونکہ

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

اسی طرح علما نے یہ مسئلہ بھی لکھا ہے کہ ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ وقت گزار رہا ہے اور اس وقت گزارنے میں اس نے اگر ذہن میں یہ تصور باندھ لیا کہ فلاں اجنبیہ عورت میرے پاس ہے، اگرچہ وہ اپنی بیوی سے ہمبستری کرے گا مگر اسے زنا کا گناہ ہوگا...... کیوں؟...... اس لیے کہ اس کی نیت خراب تھی۔ گویا ایمان وہ نعمت ہے جو انسان کی نیت کے میل کو بھی ختم کر دیتی ہے۔ تو جس انسان کی نیت بھی صاف ہو، دل بھی صاف ہو، عمل بھی صاف ہو، وہ پھر کتنا اللہ کی رضا کے لیے عمل کرنے والا انسان ہوگا۔ یہ زندگی ایمان کے بغیر نصیب نہیں ہوسکتی۔

(۲)......اللہ کے لیے دشمنی ہونا:

"البغض فی اللہ" یہ بھی انسان کے اندر اللہ کے لیے آتا ہے۔ دشمنی ہوتی ہے تو اللہ کے لیے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ایک دشمن کو گرا کر اس کے اوپر بیٹھے، قریب تھا کہ اس پر وار کر کے ختم کر دیتے، اس دشمن خدا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چہرے پر تھوک دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پیچھے اتر آئے۔ اس نے کہا: علی! آپ کو تو اس موقع پر مجھے قتل کرنے میں جلدی کرنی چاہیے تھی، تم پیچھے کیوں ہٹے؟ فرمایا: میں تمہیں اللہ کے لیے قتل کرنا چاہ رہا تھا، جب تم نے تھوکا تو اب میرا ذاتی غصہ بھی شامل ہوا، میں اپنے نفس کی خاطر کسی کو قتل نہیں کرنا چاہتا"۔

(۳) اللہ کے لیے عطا کرنا:

"وَاَعْطٰی لِلّٰہِ" انسان جب دیتا ہے تو اللہ رب العزت کی رضا کے لیے دیتا ہے۔ مثال کے طور پر

☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے صدقہ کرنا ہوتا تھا تو رات کے اندھیرے میں مستحق لوگوں کے دروازے کے اندر آٹے کی بوریاں ڈال جاتے تھے، اس لیے کہ اس بندے کو بھی پتہ نہ چلے کہ میری امداد کرنے والا کون تھا؟ وہ فقط اللہ کی رضا کے لیے یہ عمل کرتے تھے۔ کیا

ہی خوبصورتی ہے عمل کی!!

☆ایک بزرگ تھے وہ ایک مرتبہ کوئی رفاہی کام کر رہے تھے۔انہوں نے لوگوں سے کہا کہ آپ اس کام میں ہمارا تعاون کیجیے۔ایک آدمی نے ان کو بہت موٹی رقم دی۔وہ لے کر بہت خوش ہوئے اور اس آدمی کو دعائیں دیں۔کسی اور محفل میں وہ آدمی بھی بیٹھا تھا کہ انہوں نے بات کرتے ہوئے لوگوں کی ترغیب کے لئے فرمایا کہ، دیکھو فلاں آدمی نے اتنا تعاون کیا ہے، آپ بھی تعاون کریں۔اب جیسے ہی اس نے دیکھا کہ میرا راز فاش ہو گیا ہے تو وہ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ حضرت! میں نے وہ پیسے آپ کو دے تو دیے تھے لیکن اپنی والدہ سے اجازت لینا بھول گیا تھا، اور میں اپنی والدہ کی اجازت کے بغیر دینا ٹھیک نہیں سمجھتا۔لہٰذا آپ مجھے وہ پیسے واپس کر دیجیے۔محفل میں موجود لوگوں کو اس کا یہ عمل بہت عجیب لگا! اچھا، حضرت نے اس کی تھیلی واپس کر دی اور اس نے وہ تھیلی لے لی۔ ہر بندے نے اس کو برا محسوس کیا۔

جب باقی سب لوگ اٹھ کر چلے گئے اور وہ اکیلے رہ گئے تو وہ کہنے لگے:

’’حضرت! میں نے آپ کو یہ رقم اللہ کی رضا کے لیے دی تھی، آپ نے لوگوں کے سامنے اس کا اظہار کر دیا جس کی وجہ سے میرے نفس کو خوشی ہوئی، میرا یہ عمل برباد ہو جانا تھا۔میں نے لوگوں میں اس لیے رقم واپس مانگ لی کہ لوگ سمجھیں کہ میں نے وہ واپس لے لی ہے، اب میں اللہ کی رضا کے لیے پھر آپ کو دیتا ہوں۔‘‘

یہ ہوتا ہے انسان کا اخلاص، وہ دیتا ہے تو اللہ کے لیے دیتا ہے۔

اس کو ’’ایمانی زندگی‘‘ کہتے ہیں۔

(۴)......اللہ کے لیے کسی کو روکنا:

وَمَنَعَ لِلّٰهِ، ایمانی زندگی میں انسان دیتا ہے تو بھی اللہ کے لیے اور اگر نہیں دیتا تو بھی اللہ کے

لیے اس کی بھی مثالیں سن لیجیے۔

☆ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مال غنیمت کے اندر بہت سارا عطر آیا۔ آپ کی اہلیہ صاحبہ نے کہا: جی! میں اس کو تقسیم کرتی ہوں۔ فرمایا: نہیں، آپ اس کو تقسیم نہیں کر سکتیں۔ پوچھا کہ کیوں؟ میں ٹھیک ٹھیک تقسیم کروں گی۔ حتی کہ ہاتھ پر بھی نہیں لگنے دوں گی۔ فرمایا: جب آپ عطر تقسیم کر رہی ہوں گی تو اس وقت آپ کو خوشبو تو آئے گی، میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ میری بیوی کو اس مال میں سے خوشبو مل جائے۔

☆ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ چاہتی تھیں کہ کوئی سویٹ ڈش بنائیں۔ مگر آپ بیت المال سے بہت کم وظیفہ لیتے تھے۔ چنانچہ اس نے ایک مرتبہ سوچا کہ میں کھانے میں سے تھوڑا تھوڑا بچاتی ہوں، جب اتنے پیسے ہو جائیں گے تو میں کوئی میٹھی چیز (حلوہ وغیرہ) بناؤں گی، چنانچہ وہ تھوڑا تھوڑا بچاتی رہی۔ بالآخر ایک دن اس نے حلوہ بنایا۔ خود بھی کھایا اور کچھ حضرت کے سامنے بھی پیش کیا۔ حضرت نے پوچھا: یہ پیسے کہاں سے آئے؟ بتایا کہ میں نے اس طرح تھوڑے تھوڑے بچائے تھے اور آج میں نے اس سے یہ حلوہ بنایا۔ فرمانے لگے: تجربہ سے ثابت ہوا کہ اتنے پیسے ہماری ضرورت سے زیادہ ہیں۔ لہٰذا اس کے بعد بیت المال سے اتنے پیسے لینے کم کر دیے۔ یہ صفت انسان کے اندر تب آتی ہے جب اسے ایمانی زندگی نصیب ہوتی ہے۔

☆ ایک مرتبہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ملنے آئے۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنا کچھ کام کر رہے تھے۔ جب انہوں نے وہ کام مکمّل کر لیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ علی! آپ نے کوئی امور خلافت کی بات کرنی ہے یا کوئی ذاتی مشورہ کرنے آئے ہو؟ انہوں نے کہا: جی میں کوئی ذاتی بات کرنے آیا ہوں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ رجسٹر بھی سمیٹ دیا اور پھونک مار کر چراغ بھی بجھا دیا۔ حضرت

علی رضی اللہ عنہ بڑے حیران ہوئے اور پوچھنے لگے: عمر! مہمان کے آنے پر چراغ جلایا کرتے ہیں، چراغ بجھایا تو نہیں کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ”بھائی علی! آپ نے سچ کہا، مہمان کے آنے پر چراغ جلاتے ہیں بجھاتے نہیں، لیکن میں نے اس لیے بجھایا کہ مجھے اور آپ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ہم ذاتی گفتگو کرتے رہیں اور بیت المال کے پیسے کا تیل جلتا رہے۔“

یہ چیز فقط عقل کی وجہ سے انسان کے اندر نہیں آتی بلکہ ایمان کی وجہ سے آتی ہے۔ اس ایمانی زندگی میں انسان دوسروں کے لیے اپنی جان بھی قربان کر دیتا ہے۔ وہ بندوں سے کچھ نہیں چاہتا، وہ فقط اللہ سے چاہ رہا ہوتا ہے۔

☆ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی زندگی دیکھ لیجیے۔ انہوں نے کیسی تقویٰ بھری زندگی گزاری!! حالانکہ ان کا اتنا اختیار تھا کہ وہ چاہتے تو خزانے سے اپنی خواہشات کو پورا کر سکتے تھے۔

☆ سیدنا یوسف علیہ السّلام کی مثال دیکھیے۔ ان کو گناہ کی دعوت مل رہی تھی۔ اگر وہ چاہتے تو اپنی خواہش کو پورا کر سکتے تھے مگر اللہ کے خوف نے ان کو اس چیز سے پیچھے ہٹا دیا۔ یہ ہے ایمانی زندگی، کہ انسان کو دیکھنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا، انکار کرنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا، فقط اللہ کے ڈر کی وجہ سے انسان اپنے آپ کو گناہوں سے بچا رہا ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام:

تو اب تین باتیں یاد رکھیے:

جب جسم پر

نفس کی حکومت ہوگی تو حیوانی زندگی،

عقل کی حکومت ہوگی تو انسانی زندگی،

قرآن کی حکومت ہوگی تو ایمانی زندگی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس ایمانی زندگی کو گزارنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین ثم آمین)

طرزِ جمہوری نہ شانِ کجکلاہی چاہیے جس کے بندے ہیں اسی کی بادشاہی چاہیے

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ